''اسلامی ادبیات کے فروغ میں امروہا کی خدمات''

ڈاکٹر سید احسن اختر سروش

لیکچرر۔آئی۔ایم۔آئی۔سی۔امروہا

تاریخی اعتبار سے شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی مستقل سکونت کے نقوش سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد سے ملتے ہیں۔ جہاں تک امروہا میں مسلمانوں کی آمد اور مستقل سکونت کا تعلق ہے اس سلسلے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کا یہ قول ہماری رہنمائی کے لئے کافی معلوم ہوتا ہے۔

''امروہہ میں مسلمانوں کی آبادی کی ابتداءعموماً سلطنت دہلی کے قیام سے سمجھی جاتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ راجپوت راجاؤں کے زمانے میں یہاں مسلمان بس گئے تھے۔''[۱]

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے قول کی روشنی میں امروہا میں مسلمانوں کی آبادی کی قدامت کم از کم نو سو برس ہے۔لیکن اس وقت اس شہر میں مسلمانوں کی کتنی آبادی تھی یہ معلوم نہیں۔ البتہ یہ امر مسلمہ ہے کہ سلطنت دہلی کے قیام کے بعد یہاں مسلمان قابل ذکر تعداد میں اقامت پذیر ہو چکے تھے۔ اس بات کی تائید ابن بطوطہ کے تاریخی سفر نامہ میں درج اس عبارت سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

"ثم وصلنا الیٰ امروهه "وهی بلدة صغیرة حسنة فخر ج عما لها للقالی وجاء وقا ضیها الشریف امیر علی والشیخ الزاویتها و اضافاتی مضافیها حسنه" ۔ [۲]

ترجمہ: پھر ہم امروہا پہنچے وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے یہاں کے حکام میرے استقبال کے لئے آئے یہاں کے قاضی اور شیخ الزاویہ بھی آئے انھوں نے میری خوب ضیافت کی۔

مغلیہ دور حکومت میں امروہا اسلامی دُنیا میں انفرادیت کا حامل ہو چکا تھا اس دور میں بڑی تعداد میں علماء و مشائخ اس مقدس سرزمین کو اپنا مستقر بنا چکے تھے ان میں اکبر کے قاضی القضاۃ مولانا سید محمد میر عدل ، سید مبارک، سید محمد باقر مولانا سید میر علی، سید عبدالجلیل ، سید عبدالغفار، سید عبدالہادی، سید عبدالخالق ، سید عبدالوالی خاں ، دیوان سید محمود ، سید اشرف دانشمند وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ مغلیہ دور حکومت میں اس شہر کو علمی اعتبار سے عالم اسلام میں امتیازی

حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور یہاں سے وابستہ علماء وفضلاء سے دُنیائے انسانیت فیضیاب ہو رہی تھی یہی سبب ہے کہ جب شمالی ہندوستان میں اردو کا چراغ روشن ہوا تو اسکو روشن اور جلا بخشنے کا سہرا بھی اسی شہر کے ہونہار سپوت کے ہی سر ہے جسے دُنیائے ادب اسمٰعیل امروہوی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اسمٰعیل امروہوی سرزمین امروہا کا وہ عظیم سپوت ہے جس نے وقت وحالات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس زبان کو اپنی فنی وفکری اظہار کے لئے منتخب کیا جسے عوامی زبان ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا چنانچہ اسمٰعیل امروہوی نے دو مثنویاں بعنوان ''وفات نامہ بی بی فاطمہؑ'' اور معجزہ انار'' لکھ کر باقاعدہ اردو شاعری کا آغاز کیا۔ ہمارے اس دعوہ کی تائید مولوی عبدالحق کی حسب ذیل عبارت سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

''شمالی ہند میں اب تک جو پرانی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں ان میں سب سے پرانی کتاب جو مجھے ملی ہے وہ ''وفات نامہ بی بی فاطمہ'' ہے۔ اسکے مصنف کوئی اسمٰعیل ہیں جو امروہہ کے ہیں۔''[۳]

مذکورہ عبارت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اردو شاعری کا آغاز نہ صرف امروہا سے ہوا بلکہ یہ آغاز مذہبی انداز میں ہوا۔ حقیقتاً یہ مرثیہ ہے جسے مثنوی کی ہیئت میں بیان کیا گیا ہے۔ اسمٰعیل امروہوی نے یہ مثنوی ۱۱۰۵ء میں کہی ہے اس مثنوی کا سال تصنیف اور مہینہ موصوف نے مثنوی میں ہی نظم کر دیا ہے چنانچہ انکا یہ اہتمام خصوصی ملاحظہ ہو۔

مہینہ رجب المرجب تھا نہی تاریخ پچیسویں ماہ تھا
اتھے سال ہجری تھی نبی کے عیاں گیارہ سو اور پانچ تھے بوجھ جان
جو دن چار شنبہ بوقت ظہر قصہ پورا کیتا بہت فکر کر[۴]

اسمٰعیل امروہوی کے علاوہ میر سعادت علی امروہوی کہ جنہیں اُستاد میرؔ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یوں تو امروہہ کے مرثیہ خواں حضرات کی بیاضوں میں کچھ مراثی ایسے بھی ملتے ہیں جنمیں سعادت تخلص ملتا ہے لیکن تحقیقی اعتبار سے یہ محقق نہیں ہو سکا ہے۔

اسکے علاوہ شاہ عالم محزونؔ کا ایک مرثیہ دستیاب ہو سکا ہے اور غلام حسین حسینی کے دو مرثیے محمد زماں زماںؔ جنہیں عام طور پر غزل گو سمجھا گیا ہے۔ لیکن انکا ایک مرثیہ جو مربعہ کی ہیئت میں

ہے'' نوادرات مرثیہ نگاری''۵؎ جلد اول میں ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی (کراچی) نے شائع کیا ہے۔ ان کے علاوہ نجیب الدین صفدر، جعفر نذر جعفریؔ، امیر حسن امیرؔ، اعظم علی اعظمؔ، حافظ محمد اسمٰعیل جیسے قادر الکلام شعرا کے مراثی موجود ہیں۔

انیسویں صدی میں جب مرثیے کی صنف ارتقائی اعتبار سے نقطہ ءعروج کو پہنچ چکی تھی اور اس صنف کا ارتقائی سفر انیسؔ و دبیرؔ جیسے اپنے وقت کے قادر الکلام اور یکتائے روزگار فنکاروں کی سرپرستی میں طے ہو رہا تھا۔ اس وقت امروہا میں بھی اس صنف کو وہ بلندیاں حاصل ہو رہی تھیں جنکے سبب یہ صنف دوسری اصناف شاعری سے آنکھ سے آنکھ ملاکر مدمقابل میں کھڑی ہو سکے۔ چنانچہ اس عہد میں کرۂ ارض کے اس ادنا خطے یعنی امروہا میں شمیمؔ و ضیاؔ جیسے عظیم فنکار اپنی تمام تر فکری جولانیوں کو صنف مرثیہ کی خدمات میں بروئے کار لا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد زریں میں اس صنف کے شعراء کی تعداد لکھنو کے بعد اس شہر سے وابستہ تھی۔

جواد حسین شمیمؔ کو مرثیہ کی دنیا میں'' فرزدق ہند'' کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ انکا یہ خطاب'' فرزدق ہند'' ہی ان کی اعجاز بیانی اور شعر گوئی پر دسترس کامل کا بین ثبوت ہے۔ شمیمؔ نے تشبیہات و استعارات کی دنیا میں انیس و دبیر جیسے فنکاروں پر سبقت لیکر صنف مرثیہ میں اپنی فنکاری کا لوہا منوایا ہے۔ انکے مراثی کا پہلا مجموعہ'' ریاض الشمیم'' کے عنوان سے ۹۰-۱۸۸۹ء اور دوسرا '' ریاض شمیم'' ۱۹۲۵ء کے آس پاس شائع ہوا ہے۔

جہاں تک حسن ضیاؔء کے مرثیوں کا سوال ہے تو انکے مراثی کو مجموعہ کی شکل میں شائع نہیں کیا گیا۔ اسلئے انکی صحیح تعداد کا تعین نہیں ہوسکتا۔ البتہ عظیم امروہوی نے'' مرثیہ نگاران امروہہ'' میں ضیاؔء کے مرثیوں کی جو فہرست دی ہے اسمیں ۱۹ مرثیے ہیں۔ اسکے علاوہ مومن حسین صفیؔ، مولانا اولاد حسن سلیمؔ، کے بھی مراثی مرثیہ خواں حضرات کے بستوں میں موجود ہیں۔

۲۰ویں صدی کے مرثیہ گو شعرا میں شمیمؔ امروہوی کے پوتے مولانا قائم رضا نسیمؔ کی شخصیت اردو مرثیے کی دُنیا میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل رہی ہے۔ نسیمؔ کے والد برجیسؔ بھی مرثیے کے ایک عظیم شاعر تھے۔ نسیمؔ امروہوی کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شعری ذوق انہیں بچپن سے تھا۔ انکے مراثی کی تین جلدیں کراچی سے جبکہ ایک جلد ہندوستان سے شائع ہوئی ہے۔ مجموعی طور پر انکے مراثی کی تعداد ۲۹۹/۶؎ تک جاتی ہے۔

نسیم کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو انہیں دوسرے فنکاروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ کوئی بھی اہم تاریخی اور نظریاتی موضوع ایسا نہیں ہے جس پر انھوں نے قلم نہ اُٹھایا ہو۔ نسیم نے اپنے مراثی میں عموماً جن موضوعات کو زیر بحث لانے کی کوشش کی ہے ان میں قرآنی آیات و احادیث کی تشریح، فضائل علیؑ قرآن حدیث کی روشنی میں، سیاست علویہ، اصلاح رسوم، تجدید احیائے روح اسلامی، فلسفہ مسرت وغم، جائزہ نفس، تطہیر نفس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نسیم نے سورہ ''والنجم'' کی ایک مرثیے کے ۳۹ بندوں میں تفسیر کی ہے اسکے علاوہ ایک مقام پر سورہ "**الم نشرح**" کی تفسیر بھی انتہائی جامع پیرایہ بیان میں کی گئی ہے۔ جس سے انکا نہ صرف قرآن پر مکمل عبور کا پتہ چلتا ہے بلکہ انکی عمیق نظری کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ نسیم نے شخصی مراثی بھی کہے۔ ان کے شخصی مرثیوں کی تعداد کم وبیش ۹ ہے لیکن ان میں تین نامکمل ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید محمد سیادت نقوی۔

''نسیم امروہوی کے شخصی مرثیوں کی تعداد یوں تو نو بتائی جاتی ہے۔ جن میں تین مرثیے بقول ڈاکٹر ہلال نقوی نا تمام صورت میں ہیں۔ چھ مرثیے مرحوم نے مکمل کر دئے تھے۔ جنھیں ہلال صاحب ''نسیم امروہوی کے شخصی مرثیے'' کے عنوان سے عنقریب منظر عام پر لانے والے ہیں''۔ ۷

انکے چھ شخصی مرثیوں کی فہرست اس طرح ہے۔

۱۔ مرثیہ ناصر الملت ۱۹۴۳ء، ۲۔ آیۃ اللہ محسن الحکیم طبا طبائی ۱۹۷۰ء
۳۔ علامہ رشید ترابی ۱۹۷۴ء ۴۔ سید آلِ رضا ۱۹۷۸ء
۵۔ مرثیہ جوشؔ ۱۹۸۲ء ۶۔ مرثیہ ڈاکٹر یاور عباس ۱۹۸۵ء

بیسویں صدی میں نسیم امروہوی کی رکھی ہوئی مضبوط بنیادوں پر دوسرے امروہوی شعرا نے مرثیہ کی ایسی عمدہ عمارت تعمیر کی جسکے تذکرہ کے بغیر اردو مرثیہ کی تاریخ نامکمل کہی جائے گی۔ ان شعرا میں صادقینؔ نقوی، سردارؔ نقوی، ڈاکٹر ہلالؔ نقوی، ڈاکٹر عظیم امروہوی، ڈاکٹر ناشرؔ نقوی، کے نام قابل ذکر ہیں۔

نسیم امروہوی کے ہمعصر اپنے وقت کے ممتاز مصور صادقینؔ امروہوی نے رباعی کی بحر ۸ میں مرثیہ کہکر جدت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ اردو مرثیہ گو شعرا میں یہ فخر صرف اور صرف امروہا کے اس فنکار کو حاصل ہے جس نے مرثیہ کی عام بحروں سے بغاوت کرتے ہوئے رباعی کی بحر کو اس

صنف کے لئے منتخب کیا ہے۔

سردارؔ نقوی کے مراثی کے مجموعے جو اب تک منظر عام پر آ چکے ہیں ان میں ''گریہ فرات'' اور'' پرسہ'' قابل ذکر ہیں ۔ اسکے علاوہ نثر میں انکی کتاب ''کربلا شناشی'' بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوکر نذر خاص و عام ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ ہلالؔ نقوی کے مراثی کے وہ مجموعے جو اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ انمیں اذان مقتل اور مشعل و مقتل قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر عظیمؔ امروہوی کے مراثی مختلف عنوانات سے منظر عام پر آ چکے ہیں ان میں '' حسینؑ اور زندگی'' ۱۹۷۵ء '' مرثیہ عظیم'' ۱۹۸۲ء پاکستان ، ''اتحاد اور حسینؑ'' ۲۰۰۸ء قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ انکا ایک شخصی مرثیہ '' آفتاب انقلاب'' جو حال ہی میں طبع ہوا ہے۔ یہ مرثیہ بانی انقلاب اسلامی ایران امام خمینیؒ کے سلسلے میں ہے۔ جز اسکے انکی ایک کتاب ''مرثیہ نگاران امروہہ'' کے نام سے چھپ چکی ہے اس میں امروہا کے مرثیہ گو شعرا کا تذکرہ ہے۔ قرآن اور حسینؑ کے عنوان سے عظیمؔ امروہوی کی ایک اور کتاب شائع ہوئی ہے جس میں ان کے مقدمہ کے ساتھ تین مختلف مرثیہ نگاروں نسیمؔ، عظیمؔ اور ناشرؔ کے مرثیے شامل ہیں۔

ناشرؔ نقوی کے مراثی کے وہ مجموعے جو اب تک طبع ہو چکے ہیں ۔ انکے نام اس طرح ہیں۔ ''تشنگی'' ۱۹۷۹ء، ''وسیلہ'' ۱۹۸۲ء، '' آفاقیت'' ۱۹۸۴ء، '' لالہ زار صبح'' ۱۹۸۷ء، '' دیدہ وری'' ۲۰۰۵ء۔

قسیم امروہوی کے مراثی کا ایک مجموعہ '' نماز سخن'' چھپ چکا ہے۔ قسیم کے علاوہ امروہہ کے ایک اور شاعر شمیمؔ امروہوی کا ایک مر''ثیہ انتساب فضہ'' کے عنوان سے شائع ہوکر نذر خاص و عام ہوا ہے۔

امروہا کے ان مذکورہ مرثیہ نگاروں کے علاوہ شان حیدر بیباکؔ کے دو مرثیے ''علم'' اور ''صبر'' اور خلاق حیدر ندیمؔ کا مرثیہ '' شبیرؑ اور انقلاب'' زیر طباعت ہیں۔

مرثیے کے ساتھ سلام کی صنف کو بھی امروہا میں عروج حاصل ہوا ہے۔ نہ صرف مرثیہ گو شعرا نے اسے اپنے فکر وفن کی آماجگاہ قرار دیا ہے بلکہ دوسری اصناف کے بھی اہل فن نے اس میں طبع آزمائی کرنا ضروری سمجھا ہے۔ امروہا میں جن فنکاروں نے اس صنف کو بلندیاں عطا کی ہیں ان میں مصحفیؔ ، نذرالحسن تپشؔ ، اتقا حسن یکتاؔ، سید جواد حسین شمیمؔ ، برجیس حسین برجیسؔ، اولاد حسن سلیمؔ، فرقیؔ، حسن ضیاؔء، اظفر حسین منتظرؔ، علامہ شفیق حسن ایلیاؔ ، ممتاز حسن، نسیم حسن ہلالؔ، محمد عبادت کلیمؔ اور مصور

حسین نجم کے نام قابل ذکر ہیں۔

علی جواد زیدی نے العلم دوماہی، بمبئی کے مرثیہ اور سلام نمبر (جون ۱۹۹۳ء) میں امروہا کے جن شعرا کے سلام شائع کئے ہیں انمیں مصحفی، نذرالحسن تپش، اتقا حسن یکتا، جواد حسین شمیم، برجیس حسین برجیس، مولوی صفی مرتضی اور عظیم امروہوی کے سلام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے شعرا کے سلام دوسرے مجلوں اور جریدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

قصیدہ کی صنف میں بھی امروہوی شعرا نے طبع آزمائی کرنا باعث فخر سمجھا ہے۔ علی جواد زیدی نے مولانا سید عبادت کلیم کا ایک قصیدہ جو مولائے کائنات کی مدح میں ہے کو اپنی کتاب ''قصیدہ نگارانِ اتر پردیش'' میں جگہ دی ہے۔ نوحے کی صنف کو بھی امروہا میں فروغ حاصل ہوا ہے۔ یوں تو یہاں سیکڑوں شعرا نے غمِ حسینؑ میں اپنے تاثرات کو نوحے کی شکل میں بیان کیا ہے۔ لیکن جن شعرا کے نوحے مجموعے کی شکل میں منظر عام پر آچکے ہیں ان میں حیات امروہوی کا مجموعہ ''نذرانۂ حیات'' اور شمیم امروہوی کا یا حسینؑ'' شامل ہے۔

مرثیہ کے علاوہ نعت اور منقبت کے کئی مجموعے اس سرزمین سے تعلق رکھنے والے شعرا کے شائع ہو چکے ہیں ان میں ماسٹر عبدالرؤف کے مجموعوں کی فہرست اسطرح پیش کی جاتی ہے۔

''لخلخۂ محامد'' پہلا ایڈیشن ۱۹۴۰ء۔ ''لخلخۂ محامد'' دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۴ء
''لخلخۂ محامد'' تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء۔ اس کے علاوہ انکا دوسرا مجموعہ بعنوان
''کوثر رحمت'' کے تین ایڈیشن ۱۹۵۵ء-۱۹۵۷ء- ۱۹۹۹ شائع ہوئے ہیں۔

ماسٹر عبدالرؤف صاحب نے ایک محفل نعت کی بنیاد آج سے تقریباً ۸۵ برس پیشتر رکھی تھی وہ آج بھی انکے اخلاف کے ذریعہ بڑے خلوص و اہتمام کے ساتھ ہر جمعہ کو منعقد ہوتی ہے۔

ماسٹر عبدالرؤف کے فرزند حامد حسین حامد امروہوی کے کئی نعت کے مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ان میں ''مدحت کے پھول''، ''خیابان ارم''، ''جوئبار بخشش'' وغیرہ راقم الحروف کو مل سکے ہیں۔

اس کے علاوہ ساجد حسین ساجد کے تین مجموعے بعنوان ''راز بخشش'' ۱۹۹۰ء'' آرزوئے بخشش'' ۲۰۰۵ء اور'' گہر بخشش'' ۲۰۰۸ء زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر احمد حسین سیفی کے نعت کا مجموعہ ''نکہتیں'' ۲۰۰۳ء میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔ افسر بیگ کی نعت کا مجموعہ ''سرمایہ'' ۲۰۰۴ء میں چھپا۔

دورِ حاضر میں مولانا سید محمد عبادت کلیم کی نعت اور منقبت کا مجموعہ بعنوان'' تجلیات'' جسے راقم الحروف نے ترتیب دیا ہے۔ چھپنے کے لئے آمادہ ہے۔ اس کے علاوہ نعت و منقبت کے وہ شعرا جنکی نعتیں اور منقبتیں ملک اور بیرونِ ملک کے رسالوں اور مجلوں میں چھپتی رہتی ہیں انمیں ڈاکٹر سید محمد شفاعت فہیم، طرب ضیائی، شانِ حیدر بیباک، رضا امروہوی، مسرور جوہر، ڈاکٹر لاڈلے رہبر اور جمشید امروہوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

مرثیہ، نعت اور منقبتوں کے مجموعوں کے علاوہ بھی اسلامی ادبیات میں یہاں منظوم ترجمہ کے ذریعہ گراں قدر اضافے کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے اہم کڑی مولانا اولادحسن سلیم کی ذات گرامی ہے۔ جنہوں نے میراث کی مشکل ترین و ادق بحثوں کو طلباء کے آسانی سے ذہن نشین کرنے کے لئے ''فقہ الفرائض'' کے عنوان سے ۱۳۰۷ھ میں شائع کیا اسکے علاوہ انھوں نے تقسیم میراث کے قاعدوں کو رباعی کی ہیئت میں نظم کیا جسے راقم نے ترتیب دے دیا ہے۔ جو انشاء اللہ کتابی شکل میں جلد منظر عام پر آئے گے۔

مولانا اولادحسن سلیم کی رباعی کہنے پر مشاقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے شاعری کی اس صنف کو منظوم ترجمے کے لئے انتخاب کیا ہے جس کے لئے اپنے وقت کا منفرد فنکار جوش جسے اردو ادب میں معتبر رباعی گو سمجھا گیا ہے یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ....

''رباعی ایک بہت بڑی بلا اور جان لیوا صنف کلام ہے یہ کم بخت چالیس برس سے پیشتر کسی بڑے سے بڑے شاعر کے بس میں آنے والی چیز نہیں جب تک کسی شاعر کو بے پناہ مشاقی اور نہایت دیدہ وری کی بدولت دریا کو کوزے میں بھر لینے کا کام نہیں آتا اس کے قابو میں نہیں آتی ۔قلیل الفاظ کی وساطت سے کثیر معانی کا احاطہ کرکے صرف چار مصرعوں میں تمام تجربات، مشاہدات، تاثرات، نظریات اور افکار کو سمیٹ لینا ایک ننھے سے قطرے میں قلزم کو مقید کر لینا ہر شاعر کے بس کا روگ نہیں۔'' ۹

بلا شک و تردید رباعی شاعری کی سب سے مشکل ترین صنف ہے یہی سبب ہے کہ اردو ادب میں ناخدائے سخن کہے جانے والے میر کے بارے میں ڈاکٹر تقی عابدی اسطرح رقمطراز ہیں ۔

''میر تقی میر متوفی ۱۸۱۰ء کی رباعیوں کی تعداد سوا سو سے زیادہ نہیں''۔ ۱۰

مولانا اولادحسن سلیم نے میراث کے موضوع پر چودہ سو سے زیادہ رباعیات لکھ کر نہ

صرف پوری طرح اپنے دینی فریضہ کی ادائیگی کی ہے بلکہ اردو رباعی کے سرمایہ میں بیش قیمت اضافہ کیا ہے۔

نظم کے علاوہ نثری دُنیا میں بھی امروہا میں کم و بیش تمام اسلامی علوم کا ارتقا ہوا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ انمیں مولانا اعجاز حسن مرحوم کی ''تاریخ اصحاب'' ''مولانا ظفر حسن کی مختصر تاریخ'' ۱۹۵۶ء قابل ذکر ہیں۔

واقعات کربلا پر امروہا میں جو کتابیں تالیف ہوئی ہیں ان کے مولفین کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق و تلاش کی زحمتوں کے بعد اپنی تحقیق کو کتابی شکل دی ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صرف اور صرف انہیں روایات کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے جو عقل کی کسوٹی پر کھری اُترتی ہیں۔ چنانچہ یہاں سے شائع ہونے والی کتابوں میں مولانا سید شاکر حسین کی ''مجاہد اعظم'' مولانا مبین الدین صاحب کی ''شہید معظم'' مولانا ظفر حسن کی ''واقعات کربلا کا پس منظر'' ۱۹۵۵ء ، ''واقعہ کربلا پر تحقیقی نظر ۱۹۵۵ء ، مولانا سید محمد عبادت کی ''مقام شبیری'' جو ۱۹۸۴ء میں کراچی ، پاکستان سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مولانا نے تحقیقی اعتبار سے جو اہتمام کیا ہے اس سلسلے میں سید قمر رضی نے یوں اظہار خیال کیا ہے۔

''وہ روایت کے ساتھ ساتھ درایت کی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے منافقین اور مخالفین کی طرف سے واقعہ کربلا پر اسکے جزئیات سے متعلق شبھات کو منطقی استدلال سے دور کرنے کی سعی کی ہے۔ انھوں نے اس عظیم سانحہ کا جائزہ آئین اسلامی کی روشنی اور اسی کے تحفظ کے لئے حسینؑ نے اپنی قربانی پیش کی ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں حتی الوسع ایسے ہی واقعات کو پیش کیا ہے۔ جو تاریخی اور عقلی اعتبار سے محکم اور حتمی ہوں۔ نیز انہوں نے اختلافی مباحث سے بھی گریز کیا ہے۔''[۱۱]

مولانا ظفر حسن صاحب کے تحقیقی مقالات جو یکے بعد دیگرے منظر عام پر آتے رہے ہیں ان میں تحقیق مسئلہ فقہ ۱۹۵۴ء تحقیق مسئلہ تحریف قرآن ۱۹۵۴ء تحقیق مسئلہ عقد اُمّ کلثومؑ ۱۹۵۴ء تحقیق ایمان ابو طالب ۱۹۵۴ء، مسئلہ خلافت ۱۹۵۴ء تحقیق مسئلہ بیعت یزید، تحقیق لفظ آلِ بیت و اہلبیت، سکینہؑ بنتِ الحسینؑ ۱۹۵۵ء تحقیق حدیث قرطاس، تحقیق مسئلہ متعہ، تحقیق فدک، تحقیق مسئلہ خمس و ذوی القربیٰ ۱۹۵۴ء اسکے علاوہ مولانا محمد شاکر کی تصنیف ''جعفر تواب'' منظر عام پر آئی۔ جس میں جعفر کو

بے قصور ثابت کیا گیا ہے۔

امروہا میں سوانح نگاری اور سیرت پر بھی بہت سی عظیم کتب تصنیف ہوئی ہیں۔ ان میں مولانا ظفر حسن کی ''سوانح ائمہ علیہم السلام'' اور حالات انبیاء و ائمہ معہ تنقید و تبصرہ ۱۹۷۱ء کے علاوہ مولانا مبین الدین فاروقی کی ''افضل المرسلین' اور پروفیسر نثار احمد فاروقی کی ''سیرتِ نبوی کے اولین مولفین'' خاص طور پر اہمیت کی حامل ہیں۔

ہندوستان میں اکثر مقامات پر مختار نامے پڑھے جاتے ہیں۔ مولانا ظفر حسن نے بھی مختارنامہ لکھا جو ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا ہے۔ امام حسنؑ مجتبیٰ پر مولانا کوثر مجتبیٰ نے ''ذکر الحسن'' لکھی جو کراچی پاکستان میں چھپی۔

وجود امامؑ زمانہ کے اثبات میں مولانا سید محمد مجتہد نے ''ملاقات امامؑ'' لکھی جو عوام میں مقبولیت کی حامل ہوئی۔ اس کے علاوہ عقیدہ رجعت پر مولانا محمد عبادت صاحب نے ''عقیدہ رجعت'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جو جونپور سے شائع ہوئی۔ بدا کے موضوع پر مولانا ظفر حسن مرحوم نے تحقیق مسئلہ بدا تحریر فرمائی۔

ایک دور وہ تھا جب برصغیر میں مناظروں کا بڑا چرچا تھا اس لئے اس دور میں اہل تشیع اور اہلسنت کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ جنمیں اپنے نقطۂ نظر کو صحیح اور حق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امروہا میں بھی اس موضوع پر فنکاروں نے قلم اُٹھایا، ان میں مولانا اعجاز حسن، مولانا نسیم حسن، اور ابوالفاروق مولانا محمد عسکری صاحب قابل ذکر ہیں۔ مولانا ابوالفاروق محمد عسکری نے ''تاریخ امروہہ'' (محمود احمد عباسی) کے جواب میں سرمۂ چشمۂ عباسی المعروف بہ آفتاب صداقت کے علاوہ القول'' الجمیل فی توراۃ والانجیل'' کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں موجودہ توریت اور انجیل کو تحریف شدہ ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۵ء میں مدرسہ الواعظین سے شائع ہوئی۔ جز اسکے مولانا انتظار حسین کی تلاش حق اور ستون صداقت منظر عام پر آئیں۔

اسکے علاوہ مولانا مشہود حسن حسنی نے صحیح ترمذی کی شرح دروس مدنیہ (دوجلد) کے عنوان سے کی ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدی نے جو حاجی مرتضیٰ حسین صاحب کے شاگرد تھے مولوی سید احمد حسن کے مکتوبات بعنوان ''مکتوباتِ سید احمد حسن محدث'' کو کتابی شکل میں پیش کیا ہے اور ڈاکٹر نثار احمد

فاروقی نے ''صوفیائے کرام اور قومی یکجہتی'' کے عنوان سے کتاب لکھی ہے۔

قرآن کی تفسیر و ترجمے کے میدان میں بھی امروہا کے اہل فن نے اپنی فکری جولانیوں کو بروئے کار لاکر نہ صرف دین اسلام کی خدمات میں اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ اردو زبان کے نثری مواد میں گرانقدر اضافہ کیا ہے ۔ چنانچہ ان فنکاروں میں مولانا ظفر حسن کی شخصیت مخصوص اہمیت کی حامل رہی ہے۔ مرحوم نے جہاں ہر علم و فن میں اپنی فکری کاوشوں کے جو ہر دکھائے ہیں۔ وہیں ''تفسیر القرآن'' لکھ کر نمایاں کام انجام دیا ہے۔ یہ تفسیر پانچ جلدوں پر مشتمل ہے ۔ جسے شمیم بک ڈپو ناظم آباد کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف نے اپنی اس تفسیر میں ''تفسیر صافی ''تفسیر مجمع البیان، لوامع التنزیل ،تفسیر ابن عباس، تفسیر کبیر رازی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر کشاف، تفسیر تفہیم القرآن اصول کافی اور امولانا فرمان علی صاحب کے ترجمے سے مدد لی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے قرآن کا ترجمہ معہ حاشیہ کیا ہے جو ۱۹۶۴ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا زیرک حسین صاحب نے قرآن کا ترجمہ وتفسیر کی۔ یہ ترجمہ وتفسیر بیسویں صدی کے اوائل میں منظر عام پر آیا ۔ اس ترجمہ کی زبان اور اسلوب بیان انتہائی سادہ و سہل ہے۔ اسکے علاوہ مولانا موصوف نے اس وقت جبکہ کتابوں کی طباعت انتہائی مشکل کام تھا ایک مطبع'' ریاض ریاضی'' قائم کر کے مذہب حق کی نشر و اشاعت کو آسان بنانے کی کامیاب کوشش ہے ۔مولانا سید محمد صادق تقوی نے ۱۹۶۵ء میں قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر لکھی ۔

قرآن مجید کے بعد عالم اسلام میں سب سے محترم سمجھی جانے والی کتاب یعنی نہج البلاغہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر علماء امروہا نے بھی عوام الناس میں امیرالمومنینؑ کے ارشادات کو عام کرنے کے لئے اس کتاب کی شرح اور ترجمہ کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو سب سے پہلی کتاب منظر عام پر آئی وہ مولانا سید اولاد حسن سلیم کی تصنیف الاشاعہ فی شرح نہج البلاغہ اسکے بعد مولانا سید احمد حسین کی شرح نہج البلاغہ (نامکمل) اور سید محمود حسن قیصر کی کتاب رجال نہج البلاغہ مطبوعہ ایران کلچر ہاؤس ۱۹۹۹ء کلام علی کا عربی علما وشعرا پر اثر مطبوعہ احباب پبلیکیشن لکھنؤ۔ جامعین کلام امیر المومنینؑ ،مطبوعہ احباب پبلیکیشن لکھنؤ۔ان کی ایک اور تصنیف اسلامی علوم کے ہندی مصادر انجمن سادات امروہا دہلی کے زیر اہتمام ۱۹۹۹ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ۔

تصوف کے موضوع پر بھی اس مردم خیز سرزمین سے کتابیں منظر عام پر آتی رہی ہیں ان

میں مولانا نسیم الدین فریدی کی وصایہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (جسے ادارہ الفرقان لکھنؤ نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا) بتصرہ حضرت خواجہ باقی اللہ معہ صاجبزادگان و خلیفہ (ادارہ الفرقان سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی) اس کے علاوہ انکی ایک اور کتاب سلسلہ چشتیہ ونقشبندیہ کا اولیاء اللہ اور نثار احمد فاروقی کی نقد ملفوظات قابل ذکر ہیں۔

امروہا میں علم فقہ، علم اصول، علم منطق، علم فلسفہ، علم عقائد، علم تفسیر اور علم تجوید وغیرہ تمام علوم کی نشر و اشاعت پر توجہ خاص دی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ علم فقہ میں مولانا مسرور حسن کی ''مختار المسائل'' اور مولانا سید محمد کی ''وسائل ''الشریعۃ'' جبکہ علم اصول میں مولانا یوسف حسین نے مُعالم الاصول کا ترجمہ کر کے علم اصول کی مشکل بحثوں کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ علم تجوید میں مولانا سید محمد ابو طالب نے قواعد تجوید، علم منطق میں مولانا سید مطاہر حسین فرقانی کی ''رہبر منطق'' اور حاجی مرتضیٰ حسین کی ''مصطلحات منطق و فلسفہ'' قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ راقم نے علوم قرآنی پر تلاش و کوشش کرتے ہوئے چند مضامین لکھے ہیں۔ جن میں ''عربی زبان و ادب پر قرآن کے اثرات'' ستمبر ۲۰۰۸ء میں روزنامہ صحافت دہلی میں شائع ہوا۔

علم الانساب جسے عربوں کی وراثت سمجھا گیا ہے اس پر بھی امروہا میں خاص توجہ دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شجرات سے متعلق جتنی کتابیں سید حسین شرف الدین شاہ ولایت نقوی واسطی علیہ الرحمہ سے مخصوص اس شہر میں لکھی گئی ہیں اتنی بڑی تعداد میں برصغیر ہند و پاک کے کسی دوسرے خطہ میں نہیں لکھی گئیں۔ علم الانساب اور تاریخ سادات سے متعلق جو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان میں تاریخ اصغری (اصغر حسین)، تاریخ واسطیہ (رحیم اللہ) تاریخ سادات امروہہ (نہال احمد جج)، انوار قم (سید صغیر حسن)، تاریخ سادات امروہہ (مولوی بشیر حسین)، فیضان سادات (سید فیضان علی) گلزار سادات (سید امان حسن)، نذر سادات (نذر سبطین) اور سادات زیدیہ (شاکر حسین زیدی) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اسکے علاوہ مولوی سید محمد عبادت کلیم کی ''من و خانوادہ من'' سید قیصر مبین کی ''حضرت شاہ ولایت امروہہ اور انکے اخلاف نامی کتابیں'' زیر طباعت ہیں۔

تذکرہ نگاری کے میدان میں جو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان میں تذکرہ شعراء امروہہ (نقوش نقوی کراچی) تذکرۂ علماء امروہہ (مولانا شہوار حسین) اور تذکرہ علماء امروہہ (مصباح

صدیقی) وغیرہ مخصوص اہمیت کی حامل ہیں۔

عدالت کے موضوع پر ابھی تک کوئی کتاب ہندوستان میں نہیں آئی تھی۔ اس موضوع کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا سید محمد سیادت نقوی امام جمعہ امروہا نے عدالت کے موضوع پر ایک جامع کتاب بعنوان ''اسلامی نظریہ عدالت نہج البلاغہ کی روشنی میں'' تصنیف کی ۔ جو ۲۰۰۴ء میں طبع ہوئی۔

اسکے علاوہ مولانا موصوف کی ایک اور کتاب بعنوان'' اسلام کمیونزم اور اشتراکیت میں تصور ملکیت'' ۲۰۰۱ء میں مرکز جہانی اہلبیت قم سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں اسلامی اقتصادیات کے پیش نظر تصور ملکیت کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور اسلامی تصور ملکیت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔

امروہا میں تصنیفات و تالیفات کے علاوہ اہم کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے ہیں۔ انکی فہرست اس طرح ہے ۔

ترجمہ'' کتاب الطہارۃ من لایحضرہ الفقیہ'' مترجم مولانا سید اعجاز حسن ۔ترجمہ'' شرح باب حاوی عشر مترجم مولانا حاجی مرتضٰی حسین ۔ترجمہ چہل حدیث مترجم مولانا حاجی مرتضٰی حسین ،ترجمہ چہل سورہ ہائے توریت۔ مترجم مولانا حاجی مرتضٰی حسین ۔ترجمہ نہج البلاغہ - مولانا خورشید حسین نجم الزائر- مولانا خورشید حسین ۔ترجمہ جوامع الکلم - مولانا خورشید حسین ۱۲ترجمہ نہج البلاغہ - مولانا سید محمد صادق ۔مجموع الفضائل ترجمہ شہر آشوب ۱۹۶۳ء مولانا ظفر حسن الشافی ترجمہ اصول کافی (دو جلدیں) ۱۹۶۴ مولانا ظفر حسن۔ الشافی ترجمہ فروغ کافی (دو جلدیں) ۱۹۶۴ء مولانا ظفر حسن ترجمہ صحیفہ کاملہ۔ مترجم مولانا قائم رضا نسیم امروہوی۔مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی- مولانا نسیم احمد فریدی تاریخ طبری کے مآخذ (ڈاکٹر جواد علی)- ترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی۔

اس مختصر اور محدود مضمون میں ادبیات اسلامی کے فروغ میں امروہا کے ان اہلِ فن حضرات کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے خاص طور پر جنکی تصنیفات و تالیفات اردو زبان میں ہیں۔حالانکہ اس فریضہ کی پوری طرح ادائے گی اور تحقیقی فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بھی طویل مدت اور سخت محنت درکار ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ امروہہ میں ادبیات اسلامی پر عربی ، فارسی اور اردو میں کثیر تعداد میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب کا بطور کامل احاطہ کرنا ناممکن تو ہے ہی اگر صرف ایک ہی زبان میں لکھی گئیں کتابوں کی مکمل فہرست تیار کر لی جائے تو بھی یہ کام جوئے شیر لانے کے

مترادف ہوگا ۔ ہم یہاں چند دیگر کتابوں کے اضافے کے ساتھ اپنی بات کو اختتام پذیر کررہے ہیں۔

سوالات امام الدین شمس العلوم مولانا سید محمد سیادت اوّل ،

طریق الصلواۃ۔مولانا سید اعجاز حسن

مرقع کربلا۔مولانا سید اعجاز حسن

القراۃ والکتابہ۔مولانا سید اعجاز حسن

معراج العباد۔مولانا سید اعجاز حسن

المحاسن ۔نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن

النبوہ والخلافہ۔نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن

التوحید ۔نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن

تفسیر یوسفی ۔یوسُف الملت مولانا یوسُف حسین

اسکے علاوہ یوسُف حسین نے ''کفایہ الاصول'' پرعربی میں حاشیہ لگایا۔

دورِ حاضر میں ڈاکٹر سید حسنین اختر کی کتاب بعنوان ''دراسۃ فی منثورات الامام علیؑ'' جو انکی پی۔ایچ۔ڈی۔ کا موضوع ہے ۱۹۹۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی اور موصوف کی اسی موضوع پر ایک اور کتاب انگریزی زبان میں ۲۰۰۴ An Introduction to Nahj-ul-Blagha میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آئی ۔

حواشی :

(۱) پیش لفظ تذکرۂ بدرِ چشتؒ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔صفحہ ۱۳

(۲) تحفہ النظائر فی غرائب الامصار

(۳) سہ ماہی رسالہ ''اردو'' کراچی شمارہ اپریل ۱۹۵۱

(۴) اردو کی دو قدیم مثنویاں - ترتیب وتحقیق نائب حسین نقوی صفحہ ۵۱

(۵) عظیم امروہوی نے مرثیہ نگاران امروہہ میں انکا ذکرنہیں کیا۔ ہمارے کتب خانے میں ایک قلمی بیاض میں انکا مرثیہ موجود ہے۔مرثیہ مربع ہے ۔

(۶) نسیم امروہوی ایک تعارف از ڈاکٹر سید محمد سیادت نقوی صفحہ ۲۳۶

(۷) نسیم امروہوی ایک تعارف از ڈاکٹر سید محمد سیادت نقوی صفحہ ۲۴

(۸) ''رثائی ادب'' سہ ماہی کراچی جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۶ء
(۹) قطرہ وقلزم صفحہ ۱-۲
(۱۰) رباعیات دبیرؔ- ڈاکٹر تقی عابدی صفحہ ۵۷
(۱۱) سخنہائے گفتنی ۔ مقام شبیریؑ مصنف مولانا سید محمد عبادت نقوی
(۱۲) مطلع انوار- مرتضیٰ حسین فاضل صفحہ ۲۱۵

ﮩﮩ